نقد و نظر

"مسلمانوں کا روشن مستقبل"

مولانا سید طفیل احمد صاحب (علیگ) ہندوستان کے اُن نامور بزرگوں میں سے ہیں جو اپنی ٹھوس اور پُراز معلومات تصنیفات کے ذریعہ ملک کی مفید اور تعمیری خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ابھی حال میں آپ کی گرانقدر تصنیف "مسلمانوں کا روشن مستقبل" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ جو عام و خاص میں خلعت قبول و شہرت حاصل کر رہی ہے۔ ہم ذیل میں قارئین سے اس کا تعارف کرانا چاہتے ہیں۔

یہ کتاب نظامی پریس بدایوں سے ۲۲×۲۹/۱۶ سائز پر ۶۰۸ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔ اگرچہ کتابت و طباعت اوسط درجہ کی ہے لیکن معنوی خوبیوں کے لحاظ سے یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہندوستان کا ہر نوجوان اس کا بنظر غائر مطالعہ کرے اور فاضل مصنف نے بڑی کدوکاوش اور محنت و مشقت کے بعد جو حقائق جمع کر دیے ہیں اُن کو ذہن نشین کرنے کے بعد اپنے آغاز و انجام پر ایک مبصرانہ نگاہ ڈالے۔

یہ کتاب دس ابواب اور متعدد فصول پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں مستند انگریزی مورخین و مصنفین کے حوالہ سے یہ بتایا گیا ہے کہ ہر قوم کے بنیادی حقوق کیا ہیں؟ اس سلسلہ میں آپ نے دس حقوق شمار کرائے ہیں۔ باب دوم میں مسلمانوں کے دور آخر کا ایک حسرت انگیز خاکہ کھینچا گیا ہے۔ اور مستند حوالوں سے بتایا ہے کہ مسلمانوں کے عہد میں اقوام مفتوحہ کے یہ سب حقوق کس درجہ محفوظ تھے اور وہ کس طرح اہل ہند کی تعلیم، مذہب، تہذیب، شہری حقوق و مساوات اور حقوق ملکیت میں

آزادی وغیرہ کا خیال رکھتے تھے۔ تیسرے باب میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی ڈھائی سو سال کی مختصر مگر جامع تاریخ قلمبند کی گئی ہے اور مدلل طریقہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے کس طرح ہندوستان کو اپنی طمع زر وسیم کا شکار بنایا۔ اور کیونکر وہ سیاسیات ہند میں رفتہ رفتہ دخل انداز ہو کر ایک تجارتی کمپنی سے سیاسی جماعت میں منتقل ہو گئی اور بالآخر ہندوستان میں برطانوی راج کے قیام واستقرار کا باعث ہوئی۔ یہ باب بحد عبرت آفریں اور اثر انگیز ہے۔ یہ گویا ایک آئینہ ہے جس میں بدنصیب ہندوستان اپنی شکل کے باریک سے باریک خط وخال بہت آسانی سے دیکھ سکتا ہے اور سمجھ سکتا ہے کہ "مشاطۂ فرنگ" جس کو عروس ہند کی حنابندی وزینت بخشی کے اتنے بڑے دعاوی ہیں اُس نے دراصل اس صورت زیبا کو بنایا اور سنوارا ہے یا اُس کو بگاڑ کر اور اُس کے قدرتی حسن وجمال کو لوٹ کر اب اس قابل بنا دیا ہے کہ اُسے آئینہ میں خود اپنی صورت دیکھتے ہوئے شرم آنے لگی ہے۔ باب چہارم سے اُن تحریکات کا ذکر شروع ہوتا ہے جو ۱۸۵۷ء کی ناکام تحریک آزادی کے اثرات مابعد کا طبعی اور لازمی نتیجہ ہیں۔ اس سلسلہ میں مصنف نے باب چہارم کو چار فصلوں پر تقسیم کیا ہے جن میں سے فصل اوّل میں بعنوان "اصلاح معاشرت ومذہب کا پہلا دور" آپ نے حضرت مولانا سید احمد صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک، سکھوں سے آپ کی جنگ کے اسباب، اُس جہاد کے انجام، مسلمانوں کی مذہب کے لیے قربانیاں اور کیرکٹر کی مضبوطی کی چند مثالیں بیان کر کے اس فصل کو بہت ہی دلچسپ اور بصیرت افروز بنا دیا ہے۔

فصل دوم میں مسلمانوں کی قدیم تعلیم پر بحث کی گئی ہے اور اس کے ذیل میں دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء، اور علمائے دہلی ولکھنؤ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور اُس عہد کے نظام تعلیم، اور طلباء کی معاشرت پر ایک نظر ڈالی گئی ہے۔ فصل سوم میں جدید تعلیم کی اشاعت، اس کے اغراض ومقاصد اُس کے اثرات ونتائج اور اُس تعلیم کو عام کرنے سے انگریزوں کا جو نقطۂ نگاہ تھا ان سب اُمور پر کسی قدر

بسط و تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ یہ باب اُن "فریب خوردگانِ ناظورۂ فرنگ" کی آنکھیں کھولنے کے لیے بہت کافی ہے جو اپنا سب کچھ لٹا چکنے کے بعد بھی اپنے آپ کو "سرمایہ دار" سمجھ رہے ہیں۔ اور جن کے نزدیک "تعلیم جدید" مائدۂ آسمانی سے کم نہیں ہے۔ فصل چہارم میں جدید تعلیم اور ملازمت میں مسلمانوں کی پسماندگی کی المناک مگر خرد افزا داستان بیان کی گئی ہے۔

باب پنجم سرسید احمد خان کی تحریک اور اُس کے مبادی وعلل اور عواقب و نتائج کے ذکر کے لیے وقف ہے۔ اس باب میں فاضل مصنف نے ایک مقام پر بڑی عجیب بات لکھی ہے۔ عام طور پر مشہور یہی ہے کہ سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کو انگریزی تعلیم حاصل کرنے کی رغبت دی تو علماء کرام نے اُن کی سخت مخالفت کی یہاں تک کہ سرسید احمد خاں پر کفر کے فتاوی لگانے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ یہ ایک عام اعتراض ہے جو جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی طرف سے علماء پر کیا جاتا ہے لیکن مولانا طفیل احمد صاحب جو خود علی گڈھ کے پُرانے تعلیم یافتہ اور سرسید کے شاگردوں میں سے ہیں اس اعتراض کو غلط بتاتے ہیں اور حیات جاوید کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"مگر کوئی اعتراض سرسید کے مخالفین کی طرف سے مطلق انگریزی تعلیم کے متعلق درج نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو زبان انگریزی کی تعلیم سے اختلاف نہ تھا۔ بلکہ اُس طرز معاشرت سے تھا جس کو سرسید بقول مولانا حالی کے تعلیم سے بھی زیادہ ضروری سمجھتے تھے، اور جس سے مسلمان بھڑکتے تھے"[1]

پھر اس کے بعد آپ لکھتے ہیں:۔

"مگر سب سے زیادہ مخالفت سرسید کی اس وجہ سے ہوئی کہ خود سرسید نے عربی مدارس کی تعلیم و تربیت پر سخت حملے کیے تھے۔

---

[1] "مسلمانوں کا روشن مستقبل" ص ۱۹۹۔

فرمائیے کیا اب بھی آپ سرسید کو بے گناہ و بے خطا، اور علما ہی کو مجرم و گناہگار قرار دیتے ہیں؟

باب پنجم کی فصل دوم کا آغاز "اصلاح معاشرت و مذہب کا دوسرا دور" کے عنوان سے ہوتا ہے۔ اس میں اصلاح معاشرت و مذہب کے وجوہ اور انگریزی تمدن کے اثرات پر ایک نظر ڈالنے کے بعد فصل سوم میں علیگڈھ کالج کا تعلیمی پروگرام، اور اُس کی مالی مشکلات اور اندرونی جھگڑے کالج کا مالی ضبن، اور مسلم یونیورسٹی کا قیام اور پھر جامعہ ملیہ دہلی کی تاسیس ان سب پر ایک عمیق نظر ڈالی گئی ہے۔ فصل چہارم بھی مسلمانوں کی جدید تعلیم سے متعلق ہے۔ اور اس میں مسلمانوں کی تعلیمی مشکلات بیان کی ہیں۔ باب ششم، اور باب ہفتم، اور باب ہشتم میں ہندوستان کی سیاسی بیداری کی مکمل اور عبرت انگیز تاریخ بیان کی گئی ہے۔ جس میں انڈین نیشنل کانگریس۔ صوبۂ بنگال کی تقسیم، سرسید کا سیاسی مسلک۔ اور مسلم لیگ اور محمڈن پولیٹکل ارگنائزیشن کا قیام وغیرہ اہم مباحث پر دادِ سخن گستری دی گئی ہے۔ باب نہم میں مسلمانانِ ہند کے سیاسی کارناموں کا تذکرہ ہے جس میں تحریک خلافت، جمعیۃ علماء اور مسلم لیگ اور گول میز کانفرنس وغیرہ کی تفصیلی روئداد مندرج ہے آخر باب دہم میں مسلمانوں کی سرگزشت کا خلاصہ اور جدید آئین کی روشنی میں بنیادی حقوق کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور پھر آخر میں یہ بتایا گیا ہے کہ آئندہ سیاسی جنگ میں مسلمانوں کا کیا حصہ ہوگا؟ اور اس کے متعلق بہت کچھ اُمید افزا خیالات ظاہر کیے گئے ہیں۔ پھر کتاب کے ضمیمہ جات میں سیاسی جماعتوں کی فہرست مع سال و مقام اجلاس اور نام صدر کے بہت مکمل دی گئی ہے۔

مولانا طفیل احمد صاحب کا یہ کارنامہ ہندوستان کے آئندہ سیاسی انقلاب کے محرکاتِ اولیٰ کی صف میں شمار کیا جائیگا۔ حق یہ ہے کہ آج ملک کو کسی ٹھوس اور خشک مضمون پر بہت زیادہ محققانہ کتاب کی اتنی ضرورت نہیں ہے جتنی کہ مذکورہ بالا جیسی اہم کتابوں کی ہے۔ جس طرح انقلاب

فرانس کی تاریخ کے ساتھ والٹیر (Voltaire) اور روسو (Rousseau)

مونٹیسکیو (Montesquieu) کا نام زندہ ہے۔ اسی طرح ہندوستان کا مؤرخ جب ہندوستان
میں آنے والے عظیم الشان انقلاب کی تاریخ قلمبند کریگا تو اُس کے اسباب و محرکات میں
"روشن مستقبل" کے نامور مصنف کا نام جلی عنوان سے لکھیگا۔ ضرورت ہے کہ ہندوستان کا ہر
ایک نوجوان ہندو ہو یا مسلمان اس کتاب کو حرزِ جان بنا کر رکھے اور اس کا باِمعان مطالعہ کرے۔

آخر میں ہم کو مصنف گرامی سے ایک شکایت بھی کرنی ہے، وہ یہ کہ مولانا ایسے
پر یہ پوشیدہ نہیں ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے مسلمانوں میں
جو عظیم الشان تعلیمی انقلاب پیدا کیا ہے وہ خود اپنی ایک مستقل تاریخ رکھتا ہے۔ پھر دارالعلوم نے مسلمانوں کی
مذہبی خدمات کے علاوہ جو شاندار سیاسی خدمات انجام دی ہیں وہ بھی ہندوستان کی کسی اصلاحی یا سیاسی
جماعت کی خدمات سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔

حقیقت بیں نگاہ سے دیکھا جائے تو بیسویں صدی کے آغاز میں صرف حضرت شیخ الہند
رحمۃ اللہ علیہ کی وہ تنہا ذات گرامی ہے جنہوں نے اپنے عمل محکم سے ہندوستان کے خفتہ مسلمانوں
میں بیداری کی روح پیدا کی، اور آج جو کچھ سیاسی حرکت نظر آرہی ہے وہ دراصل حضرت رحمۃ اللہ علیہ
کی ہی ذات ستودہ صفات کے مجاہدانہ اعمال کا نتیجہ ہے۔ پھر کس قدر افسوس کی بات ہے کہ علیگڈھ اور
مسلم لیگ وغیرہ کے لیے تو صفحے کے صفحے لکھ دیے جائیں اور دارالعلوم دیوبند کا تذکرہ صرف سات
سات سطروں میں ہی تمام کر دیا جائے۔ ہم کو قوی اُمید ہے کہ آئندہ اس کتاب کا جو ایڈیشن شائع
ہوگا مولانا اُس میں اس چیز کی پوری تلافی کر دینگے۔

"س"